یو جی سی سے منظور شدہ
URDU STUDIES vol 1 issue 1 2021 Pages 84-103

Khwaja Hayder Ali Atish aur unkay Lukhnavi Shagird...

Najeeba Arif

خواجہ حیدر علی آتش اور ان کے لکھنوی شاگرد:
ایک غیر مطبوعہ قلمی نسخے کا منتخب متن مع حواشی و تعلیقات

نجیبہ عارف

تعارف:

عبد الغفور نساخ (۹۸۸۱ـ۴۳۸۱) انیسویں صدی میں کلکتہ سے تعلق رکھنے والے ایک اہم شاعر، تذکرہ نویس اور تاریخ گو کی حیثیت سے معروف ہیں۔[۱] ان کے کئی دیوان، اور رباعیات و تاریخی قطعات کے مجموعے ان کی زندگی ہی میں شائع ہو کر معروف ہوئے تاہم ادب اردو کی تاریخ میں انھیں زندہ رکھنے والا کام سخنِ شعرا کے عنوان سے شائع ہونے والا اردو شعرا کا تذکرہ ہے۔[۲] یہ ایک ضخیم تذکرہ ہے جس میں تین ہزار کے قریب شعرا کا احوال اور نمونۂ کلام بیان کیا گیا ہے۔ گارسیں دتاسی (۱۷۹۴ـ۱۸۷۸) کی تاریخِ ادبِ اردو[۳] میں اس تذکرے کے بہت حوالے ملتے ہیں اور یہ دتاسی کا ایک اہم ماخذ رہا ہے۔ ان کا ایک اور تذکرہ، جو صرف قطعہ گو شعرا پر مشتمل ہے، ۱۸۸۴ میں قطعۂ منتخب[۴] کے تاریخی نام سے شائع ہوا تھا۔ تیسرا تذکرہ تذکرۃ المعاصرین برصغیر کے فارسی گو شعرا کے بیان پر مشتمل ہے جو ان کی وفات کے بعد ۱۸۹۱ میں نامکمل صورت میں شائع ہوا۔ یہ تذکرہ صرف ع تک کے اسما پر مشتمل تھا۔ ۱۹۸۷ میں عطا کاکوی نے اس نامکمل تذکرے کا اردو ترجمہ کیا جو مجلّہ سفینہ کے خصوصی شمارے میں شائع ہوا۔[۵] اس کے علاوہ انھوں نے قندِ پارسی کے عنوان سے فارسی شعرا کے کلام کے نمونے

جمع کیے۔ نساخ کی خود نوشت سوانح حیات جو فارسی شعرا کے تذکروں کی طرح نامکمل رہ گئی تھی، ان کی وفات کے تقریباً سو سال بعد کلکتے سے ۱۹۶۸ میں شائع ہوئی۔[۶] اس سوانح میں ۱۸۸۵ تک کے حالات کا بیان ملتا ہے اور اغلب ہے کہ یہ ۱۸۸۶ کے اوائل تک کے عرصے میں لکھی گئی ہوگی۔ ان کے علاوہ بھی ان کی متعدد تصانیف ہیں جن کا مفصل ذکر ان پر ہونے والے پی ایچ ڈی کے مقالے میں ملتا ہے جو انجمن ترقی اردو پاکستان سے شائع ہو چکا ہے۔[۷] ان تمام تصانیف میں کہیں یہ اشارہ نہیں ملتا کہ نساخ لکھنوی شعرا کا ایک تذکرہ بھی مرتب کر رہے تھے یا ایسا کوئی ارادہ رکھتے تھے مگر حقیقت میں انھوں نے ایک اور اہم تذکرہ بھی لکھ رکھا تھا۔

۲۰۱۳ میں راقم الحروف کو بوڈلین لائبریری، اوکسفرڈ میں محض اتفاق سے نساخ کے ایک اور غیر مطبوعہ تذکرے کا قلمی نسخہ مل گیا جو استاد شعرا اور ان کے شاگردوں کی نسبت سے ترتیب دیا گیا تھا اور اسی بنیاد پر بارہ ابواب میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اس قلمی نسخے کا مطالعہ اور داخلی شہادتوں کا جائزہ اس بات کی تصدیق کے لیے کافی تھا کہ مذکورہ مخطوطہ دراصل نساخ ہی کا تالیف کردہ ایک غیر مطبوعہ تذکرہ ہے۔ تذکرے کے متن میں مصنف نے ایک جگہ خود اپنا ایک قطعۂ تاریخ درج کیا ہے جس میں ان کا تخلص نساخ موجود ہے اور یہ قطعہ ان کے قطعات کے ایک مجموعے میں موجود ہے۔ یہ اس بات کی ناقابلِ تردید شہادت ہے کہ متذکرہ تذکرہ نساخ ہی کی تصنیف ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے اپنے کلکتہ میں رہنے اور یہاں آنے والے شعرا سے ملاقات کا ذکر بھی کیا ہے۔ نیز بہت سی معلومات ان کے تذکرے سخن شعرا سے ماخوذ ہیں اور اس تذکرے کو نساخ کی تصنیف ثابت کرتی ہیں۔

دستیاب معلومات کے مطابق اس تذکرے کا یہ وحید قلمی نسخہ، جو بوڈلین لائبریری، اوکسفرڈ میں محفوظ ہے؛ تقریباً مکمل ہے۔ اس نسخے کو ''تقریباً''، مکمل قرار دینے کا سبب یہ ہے کہ اگرچہ فہرست میں درج تمام ابواب کے ذیل میں متن موجود ہے تاہم چند شواہد ایسے بھی ملتے ہیں جن سے صراحت ہوتی ہے کہ نسخہ ابھی زیرِ تکمیل و ترتیب تھا۔ مثال کے طور پر اس تذکرے کو کوئی عنوان نہیں دیا گیا اور نہ ہی اس پر مصنف کا نام لکھا گیا ہے۔ فہرست ابواب اور متن کے اندر کی جانے والی کاٹ چھانٹ اور کچھ صفحات کا خالی چھوڑنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مصنف نے اس تصنیف پر کام کرنا مکمل نہیں کیا اور یہ ابھی زیرِ ترتیب تھا یا مصنف اس حوالے سے مزید معلومات کے منتظر تھے۔ اوراق ۵۳، ۶۰ تا ۶۱، ۸۲ اور آخر میں ۲۹ تا ۴۹ خالی چھوڑے گئے ہیں۔ باب ہشتم کا عنوان ''استاد سرب سنگھ اور اس کے شاگردوں کے بیان میں'' ہے مگر سرب سنگھ کا عنوان قائم کر کے دو اوراق خالی چھوڑ دیے گئے ہیں۔ اس باب کے

مندرجات پروانہ کے ذکر سے شروع ہوتے ہیں۔ فہرست ابواب میں کل ۹۱ شاعروں کے اسما درج ہیں مگر متن میں ان میں سے چار شاعروں، خلق، سرب سنگھ، مونس اور قمر کا حال درج نہیں ہے۔ سرب سنگھ اور مونس کے نام کے بعد خالی جگہ چھوڑی گئی ہے مگر خلق اور قمر کے بارے میں کوئی صراحت نہیں ملتی۔ خلق کی جگہ قلق کا ذکر ہے۔ معاصر تذکروں میں بھی خلق تخلص رکھنے والے کسی شاعر کا حوالہ نہیں ملتا جس سے قیاس ہوتا ہے کہ خلق محض سہو کتابت ہے۔ باب دوم میں افضل کے عنوان کے تحت دو الگ الگ شاعروں کا حال درج ہے۔ یوں کل ۸۸ شعرا کا تذکرہ متن میں ملتا ہے۔ ان اشاروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف ابھی اس تذکرے میں اضافے کرنا چاہتے تھے مگر انھیں اس اہم کام کی مہلت نہ مل سکی۔

اہم بات یہ ہے کہ مصنف کے نام کا تعین حتمی طور پر متن کی اندرونی شہادت سے ہو جاتا ہے۔ باب دوم میں ایک شاعر اصغر کی وفات کے بیان میں انھوں نے اپنا ایک قطعہ درج کیا ہے جس میں ان کا تخلص استعمال ہوا ہے اور مزید شہادت کے طور پر یہ قطعہ ان کے قطعات کے ایک مجموعے میں بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے جا بجا کلکتے آنے والے شعرا اور ان سے ملاقاتوں کا حال قلم بند کیا ہے جس سے اس امر میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا کہ مذکورہ تذکرہ عبدالغفور نساخ ہی کی تصنیف ہے۔ داخلی شہادتوں سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس تذکرے کا سنہ تصنیف ۱۸۷۲ سے ۱۸۸۷ کے درمیان ہے۔

کل ۱۹۴ اوراق (جن میں سے کچھ اوراق خالی بھی ہیں) پر مشتمل یہ تذکرہ ۸۸ شعرا کے دلچسپ اور مفصل حالات بیان کرتا ہے۔ نساخ کے دیگر تذکروں کے برعکس اس تذکرے میں دو تین باتیں بہت نمایاں اور مختلف ہیں۔ ایک تو یہ کہ نساخ نے اسے تاریخی یا الف بائی اعتبار سے مرتب نہیں کیا بلکہ استاد اور اس کے شاگردوں کے اعتبار سے ابواب بندی کی ہے۔ یہ ایک نئی طرز ہے جس کی ایک مثال ہمیں بعد میں مالک رام کے مرتبہ تلامذۂ غالب (۱۹۵۷) میں ملتی ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ یہ ایک خاص علاقے کے شعرا کے احوال پر مشتمل ہے اور تیسری نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس تذکرے میں سخن شعرا اور اس عہد کے دیگر تذکروں کے برعکس شعرا کے سوانحی حالات بالتفصیل بیان کیے گئے ہیں۔ اس سے نہ صرف اس دور کے لکھنؤ بلکہ پورے ہندوستان کی علمی و ادبی فضا، اہل علم و فضل کے مشاغل، ان کی قدر و منزلت اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی تصانیف کے بارے میں نہایت گراں قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

مصنف نے اس تذکرے کو خود کوئی عنوان نہیں دیا لہٰذا راقم الحروف نے اس کے مندرجات کی بنا پر اسے تذکرۂ شعرائے لکھنؤ کا عنوان دیا ہے اور اسی نام سے یہ زیر ترتیب ہے۔ ذیل میں اس غیر مطبوعہ تذکرے کا باب دوم بعنوان ''استاد آتش اور اس کے شاگردوں کے بیان میں'' کا متن مع حواشی و تعلیقات

پیش کیا جا رہا ہے۔فہرست کے مطابق اس باب میں آتش سمیت دس شعرا یعنی آتش، اصغر، افضل، بسمل، خلیل، رند، سرور، شرر، شرف اور منتہیٰ کے نام درج ہیں مگر متن میں کل گیارہ شعرا کا حال بیان کیا گیا ہے۔یعنی افضل کے تخلص کے تحت دو شعرا درج ہیں۔ پہلے مظفر علی اسیر کے فرزند سید افضل علی خان افضل کا ذکر ہے۔ان کا تذکرہ نامکمل چھوڑ دیا گیا ہے۔نمونۂ کلام یا ان کی شاعری کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ سوانحی حالات بھی محض ان کے والد کے درج ہیں اور دیگر تذکروں میں ملنے والی معلومات سے مختلف ہیں۔ خود افضل کے بارے میں اس سے زیادہ معلومات نہیں ملتیں کہ وہ اسیر کے فرزند تھے۔ دوسرے نمبر پر منشی حسن یار خان صاحب بہادر ولد باقر علی خان کا تذکرہ ہے جس کا تخلص افضل ہے۔ان کے حالات نہایت مفصل بیان کیے گئے ہیں اور نمونۂ کلام بھی دیا گیا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ مذکرہ افضل ان دنوں میں کلکتہ میں ہیں اور واجد علی شاہ کے حضور حاضر رہتے ہیں نیز یہ کہ مندرجہ اشعار شاعر نے خود انھیں تذکرے کے لیے دیے تھے۔ اگرچہ اس افضل کا ذکر محسن اور ناصر کے تذکروں میں بھی ملتا ہے مگر نہایت مختصر اور محض ایک دو جملوں پر مشتمل ہے۔نساخ نے ان کا نہایت تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود ان سے ملاقات رکھتے تھے اور انھوں نے یہ معلومات براہ راست ان کی مدد سے حاصل کی ہیں اور بہت اہمیت کی حامل ہیں۔

اس باب میں صرف تین شعرا، آتش، حسن یار خان افضل اور بسمل کا نمونۂ کلام دیا گیا ہے؛ باقی کے تمام شعرا کا نمونۂ کلام نہیں دیا گیا۔صرف ان کے مفصل حالات بیان کیے گئے ہیں جو دیگر تذکروں میں نہیں ملتے اور اہم تر بات یہ ہے کہ ان کی تصانیف کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ نیز کئی شعرا کے ضمن میں انھوں نے اپنے ذاتی تجربات و مشاہدات کا ذکر کیا ہے۔تذکرے کی زبان طرز قدیم کے مطابق مگر رواں دواں اور اسلوب صاف اور ہموار ہے۔قدیم املا کی پیروی کی گئی ہے اور ایک سے زیادہ الفاظ کو ملا کر لکھنے کا رجحان نظر آتا ہے۔باریک قط کے قلم سے لکھا گیا خط شکستہ مگر عمدہ ہے اور تھوڑی سی کوشش سے بہ آسانی پڑھا جا سکتا ہے۔ ذیل میں اس باب کے متن کو جدید املا میں لکھا گیا ہے۔خطوطِ وحدانی مستقیم میں درج الفاظ وعبارات مرتب کی طرف سے اضافہ شدہ ہیں۔متعلقہ اضافی معلومات حواشی میں پیش کی گئی ہیں۔

متن باب دوم

استاد آتش اور اس کے شاگردوں کے بیان میں

آتش:

تخلص آتش، خواجہ حیدر علی، خلف خواجہ علی بخش پیرزادہ، شاگرد مصحفی غلام ہمدانی، سکونت

لکھنؤ، محلّہ معالی خان کی سرائے، ہم عصر شیخ امام بخش ناسخ کے ہیں۔ اکثر بڑے بڑے مشاعرے [مشاعروں میں] ان کے ساتھ ہیں۔ ہمیشہ ان کی غزل ناسخ مرحوم سے بڑھ جاتی تھی۔ بہت سے ان کے شاگرد امیر تھے مگر یہ کسی سے کچھ نہ لیتے تھے۔ درویش کامل تھے۔ ان کا تکیہ خدا کی ذات پر تھا۔ مکان میں فرش بوریے کا تھا۔ راقم نے ان کو دیکھا ہے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ نواب نادر مرزا ٹھیک دوپہر بجے دن کو برائے اصلاح، غزل مشاعرے کی لے کر بڑے جاہ وچشم سے تشریف لائے۔ وہ وقت خواجہ صاحب کے سونے کا تھا۔ نادر مرزا سلام کر کے بیٹھ گئے۔ خواجہ صاحب نے ان سے فرمایا کہ آج بے وقت کہاں آئے ہو؟ عرض کی، برائے اصلاح غزل۔ خواجہ صاحب نے ارشاد کیا کہ حقہ بھر لایئے! فوراً نادر مرزا نے آگ پھونک کر چلم تیار کی۔ حقہ تازہ کر کے خواجہ صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ فرمایا کہ با آواز بلند غزل پڑھو۔ مرزا مذکور نے شروع کیا۔ اس دن ان کی غزل پر نہایت عمدہ اصلاح ہوئی۔ جب نادر مرزا رخصت ہوئے، میر دوست علی خلیل نے عرض کی کہ نادر مرزا صاحب سے آج حقہ بھروانے کا کیا سبب تھا؟ فرمایا کہ ان کو بھی اپنی تکلیف کا حال یاد رہے کہ اور کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ بے وقت آج سے کسی کی ملاقات کو نہ جائیں۔

ایک روز کی نقل ہے کہ شیخ امام بخش ناسخ نے نواب معتمد الدولہ بہادر سے عرض کیا کہ آپ نے جو مکان بنوایا ہے اگر باڑے میں مشاعرے کی صحبت ہو تو نہایت خوب بات ہے۔ نواب صاحب نے یہ بات منظور فرمائی۔ شیخ صاحب نے اپنے احبابوں [احباب] سے کہا کہ آج مشاعرے میں خواجہ صاحب کی تعریف کوئی شخص نہ کرے اور طرح کا مصرع بھی خواجہ صاحب کے مکان پر نہ بھیجے۔ اس وقت نواب آغا میر صاحب نے مشاعرے کے دن خواجہ صاحب کو طلب فرمایا۔ خواجہ مذکور مع شاگردوں کے تشریف لائے۔ مشاعرے میں بیٹھ کے خواجہ صاحب نے طرح کی غزل لکھی۔ شعر:

یہ کس رشک مسیحا کا مکاں ہے
زمیں جس کی چہارم آسماں ہے

اس دن تمام خاص و عام نے خواجہ صاحب کی نہایت تعریف کی۔ شیخ صاحب نے بھی تعریف فرمائی۔ نواب صاحب نے دو ہزار روپیا اور ایک دوشالہ، اور ایک شال، رومال داروغہ اعظم خان سے منگوا کے خواجہ صاحب کے سامنے رکھ دیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ آپ کی نذر ہے۔ خواجہ نے انکار کیا اور کہا کہ یہ خلعت شیخ صاحب کو دینا چاہیے، فقیروں کو خلعت قناعت کا چاہیے۔ یہ کہ کر اپنے بستر پر تشریف لے گئے۔

کہیں سے ماہواری کچھ مقرر نہ تھی، مگر لوگ بیان کرتے ہیں، خدا جانے سچ ہے یا جھوٹ ہے، کہ میر دوست علی خلیل ان کے بیٹے خواجہ محمد علی کو اپنا فخر جان کے تیس روپیا ماہواری دیتے تھے۔ سیف اور

طپنچہ باندھتے تھے۔نہایت عالی خاندان تھے۔۱۲۶۳ ہجری[۱۸۴۷ء] میں روز منگل کو انتقال فرمایا۔ یادگار میں سے یہ چیزیں چھوڑ گئے ہیں۔ان کا کلام بہت سا گم ہو گیا ہے۔بعد وفات کے دو دیوان ان کے شاگردوں نے چھپوا دیے ہیں۔ ہر طرح کے سخن پر قادر تھے۔معالی خان کی سرائے میں دفن ہیں۔ پختہ قبر کی اجازت نہیں دی اس سبب سے لحد خام ہے۔ان کے شعر نہایت عاشقانہ ہوتے تھے۔شعر:

ادب تا چندۂ دستِ ہوس! قاتل کے دامن کا
سنبھل سکتا نہیں ہے دوش سے بوجھ ان کی گردن کا [۸]
جو سویا ساتھ بھی قاتل تو خنجر درمیاں رکھا [۹]
ہمارے اس کے پردہ رہ گیا دیوار آہن کا
کیا ایک وار میں تیغ قضا صاف دو ٹکڑے [۱۰]
گماں ہی رہ گیا دشمن کو آتش اپنے جوشن [۱۱] کا
رنج و راحت کا میر ے واسطے ساماں ہو گا
مشعلِ راہِ عدم داغِ عزیزاں ہو گا
تیرے سایہ میں میری گور کھدے گی ایک دن
اے پری رو! تیری دیوار کا احساں ہو گا
حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا
نہایت غم ہے اس قطرہ کو دریا کی جدائی کا
وصال یار کا وعدہ ہے فردائے قیامت پر
یقیں مجھ کو نہیں ہے گور تک اپنی رسائی کا
نہیں مٹتی ہے پتھر کی لکیر احباب کہتے ہیں
رہے گا پائے بت پر نقش اپنی جبہ سائی کا
نہیں دیکھا ہے لیکن تجھ کو پہچانا ہے آتش نے
بجا ہے اے صنم گر تجھ کو ہے دعوی خدائی کا [۱۲]

فقط۔

غزلِ دیگر:

یہ کس رشک مسیحا کا مکان ہے

زمین جس کی چہارم آسماں ہے[۱۳]
خدا پنہاں ہے عالم آشکارا
نہاں ہے گنج ویرانہ عیاں ہے
دلِ روشن ہے روشن گر کا منزل[۱۴]
یہ آئینہ سکندر کا مکاں ہے
تکلف سے بری ہے حسنِ ذاتی
قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے
پسیجے گا کہیں تو دل کسی کا[۱۵]
ہمیشہ اپنی آہوں کا دھواں ہے
برنگِ بو ہوں گلشن میں وہ بلبل[۱۶]
بغل غنچہ کا میرا آشیاں ہے
شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ
قناعت بھی بہارِ بے خزاں ہے
چمن کی سیر پر ہوتا نہ جھگڑا[۱۷]
کمر میری ہی دست باغباں ہے
الٰہی ایک دل کس کس کو دوں میں
ہزاروں بت ہیں یاں ہندوستاں ہے
یقیں ہوتا ہے خوشبوئی سے اس کی
کسی گل رو کا غنچہ عطر داں ہے
وطن میں اپنے اہل شوق کی طرح
سفر میں روز وشب ریگ رواں ہے
سحر ہووے کہیں شبنم کرے کوچ
گل و بلبل کا دریا درمیاں ہے[۱۸]
سعادت مند قسمت پر ہیں شاکر
ہما کو مغز بادام استخواں ہے

دل بے تاب جو اس میں گرے ہیں
ذقن جاناں کو پارہ کا کنواں ہے[19]
جرس کے ساتھ دل رہتے ہیں نالاں
مرے یوسف کا عاشق کارواں ہے
نہ کہو رندوں کو حرف سخت سے واعظ[20]
درشت اہل جہنم کی زباں ہے
قدِ محبوب کو شاعر کہیں سرو
قیامت کا یہ اے آتش نشاں ہے

فقط۔

اصغر:

تخلص اصغر، ظفر الدولہ معتبر الملک، رفیع الامرا نواب علی اصغر خان بہادر ناصر جنگ، وزیر ابو ظفر بہادر شاہ جنت آرام گاہ دہلی، خلف مولوی علی اکبر، شاگرد خواجہ حیدر علی آتش لکھنوی، داماد نواب زیر الدولہ [ظہیر الدولہ[21]] بہادر غلام یحییٰ خان صاحب بہادر وزیر بادشاہ محمد علی شاہ، پسر نواب سعادت علی خان بہادر وزیر اودھ، وطن ان کا خاص کشمیر میں ہے۔ مولد و مسکن خاص لکھنؤ میں ہے۔ نہایت فیاض تھے۔ اکثر شریفوں سے سلوک کرتے تھے۔ اس زمانے میں صدہا آدمی سرکار بادشاہ میں نوکر رکھوا دیے۔ اپنے اہل محلّہ کی نہایت خاطر کرتے تھے۔ ہر وقت شاعروں کی صحبت رہتی تھی۔ سوائے اس چرچے کے اور کوئی ذکر زبان پر نہ لاتا تھا۔ ہر مشاعرے میں شریک ہوتے تھے۔

جب سے غدر ہوا اور لکھنؤ کی سلطنت برباد ہوئی، وہ لوگ بھی ان کی صحبت کے نہ رہے، نہ وہ لطف شعر سخن کا رہا۔ شہر کلکتہ میں بہت روز آ کر رہے تھے۔[22] ہر دو زبان فارسی اور اردو میں شعر ان کا بہت خوب تھا۔ عارضۂ تپ سے انتقال کیا؛ گیارھویں ذی القعد کو ۱۲۷۶ ہجری [۱۸۵۹-۶۰] میں۔ اپنی یادگار میں سے یہ تصنیفات چھوڑ گئے ہیں؛ ایک مثنوی، اور ایک جلد دیوان و واسوخت و رباعی۔ راقم نے ان کے انتقال کی تاریخ لکھی ہے۔[23] شعر:

چوں علی اصغر شد از دنیا سوئے ملک عدم
شد دلِ نساخ محزون را زبس رنج و الم
شد بہ یک مصرع دو تاریخ این چنیں اے جانِ زار

شنبۂ ذی قعدہ ہے ہے آہ درد و ہائے غم
(۱۲۷۶ ہجری)

فقط۔

افضل:

تخلص افضل، سید افضل علی خان ولد منشی مظفر علی اسیر، شاگرد خلف، باشندہ لکھنؤ محلّہ ڈالی گنج قدیم، مکان بندگی میاں کی امیٹھی۔ ان کے والد زمانۂ غازی الدین حیدر بادشاہ میں لکھنؤ آئے تھے اور دس روپے کی نوکری عدالت شاہی میں ہوگئی تھی۔ بعد [میں] ترقی ہونے لگی، بیس روپے کے ملازم ہوئے۔ چند عرصے میں وزارت کی کچہری میں منشی خاص ہوئے اور اس وقت سو روپے کی تنخواہ سرکار سے مقرر ہوئی اور ہزار ہا روپیہ آمدنی ہر ماہ میں ہوتی تھی مگر خرچ وہی ان کا جو سابق میں تھا، بدستور رہا۔ سوائے جمع کرنے کے خرچ نہ کرتے تھے۔ یا سوت خرید کرتے تھے یا علاقہ مول لیتے تھے۔ بیٹی کی شادی اس کیفیت سے کی کہ اہل محلّہ کو بھی نہ معلوم ہوا اور نہ کچھ تیاری کی، رسم دنیا ادا کی۔ اس روز سے داماد بھی ان کے گھر میں رہتے ہیں۔ ان کو پڑھا کر خوب شاعر بنادیا۔ علم عربی، فارسی اور عروض نہایت اچھی طرح سے جانتے ہیں اور حکیم بھی ہیں۔ علاج اچھا کرتے ہیں۔ مطب اپنے مکان پر کرتے ہیں۔ مریض آتے ہیں، ان کے ہاتھ سے شفا... [کذا] [۲۴]

افضل:

تخلص افضل، منشی حسن یار خان صاحب بہادر، خطاب اسدالدولہ بہادر، ولد باقر علی خان صاحب، بن محمد یار خان صاحب، رسالدار ملازم سلطانی، اردلی خاص بادشاہ واجد علی شاہ میں ہر وقت حاضر مع رسالہ رہتے تھے۔ تین شوق ان کو سن بھر میں ہوئے۔ ایک تو شعر گوئی کا۔ جب یہ شعر اچھا لکھنے لگے تب ان کو خیال ہوا کہ غزل کس استاد کو دکھائیں۔ اپنے دوستوں سے پوچھا۔ کسی نے کہا کہ فتح الدولہ کو دکھلایئے، کسی نے کہا کہ خواجہ وزیر مرحوم کو۔ ان کے بھائی نے فرمایا کہ میاں سحر صاحب مرحوم کو دکھلانا چاہیے کہ ان کا شعر نہایت عاشقانہ ہوتا ہے۔ آخر کو یہ سب صاحبوں کی تجویز ہوئی کہ خواجہ حیدر علی آتش کو اپنی غزل دکھلایا کیجیے۔ ۱۲۶۶ ہجری [۵۰-۱۸۴۹] میں یہ آتش کے شاگرد ہوئے اور غزل پر اصلاح ہونے لگی اور اکثر مشاعروں میں بھی جانے لگے۔ نہایت عمدہ ان کا شعر ہونے لگا۔

بانک [۲۵] کی کسرت کا شوق ہوا، اس فن میں یہ شاگرد میر خادم علی کے ہوئے۔ ان سے اس فن کو خوب حاصل کیا۔ تیسرے کبوتر بازی کا شوق ہوا تو ہر طرح کے کبوتر جمع کیے۔ اکثر لوگ دیکھنے کو ان کے

مکان میں آتے تھے۔ بزرگوار ان کے سید سالار مقصود غازی[۲۶] کے ہمراہ برائے جہاد ہندوستان میں تشریف لائے تھے۔ ان کی بود و باش شہر لکھنؤ میں تھی اور نواب شجاع الدولہ بہادر کے زمانے میں رسالدار تھے۔ اس زمانے سے تا عہد واجد علی شاہ کے، ملازم رہے۔ جب بادشاہ سے سلطنت نکل گئی، تب سے خانہ نشین ہوئے۔ مکانات ان کے نہایت عمدہ شہر لکھنؤ میں تھے، یادگار ہیں۔ اب اگر زمانہ ہزار برس چرخ مارے تو نہیں تیار ہو سکتے ہیں۔ ان کا حال راقم نے اہل والوں[؟] سے دریافت کیا، جس قدر فرمایا اس طرح سے تحریر کیا ہے۔

شعر ان کا اچھا ہوتا تھا، نہایت خوش ذکر مشہور تھے۔ ان کی یادگار سے یہ کلام موجود ہے: ایک دیوان اردو میں ہے اور کچھ کلام فارسی میں ہے۔ دو واسوخت، رباعی، مرثیہ، سلام، نوحہ، تاریخ، قطعہ اور مخمس، گرہ بند، مسدس، مثنوی۔ اب آج کل یہ کلکتہ میں تشریف بادشاہ واجد علی شاہ کے حضور میں حاضر رہتے ہیں۔ یہ شعر تذکرے کے لیے دیے تھے۔[۲۷] شعر:

وہ دیوانہ ہوں جس پر رشک فرازانوں کو آتا ہے
خنجر کا ذکر قتل میں میرے نہ کیجیے
یہ یہاں فکر میں ہے وہ وہاں کے خیال میں
موسیٰ کی طرح تاب نظارہ نہ ہوسکے
آخر یہ حبِّ مال وبالِ بخیل ہے
کیوں کر خدا کرے نہ حسینوں سے دوستی
کرتا ہے آگے یار کے اکثر ہمارا ذکر
فسانہ ہے پرستاں میں میری زنجیر کے غل کا
لیتے نہیں ہیں نام چھری کا شکار میں
دیکھو جسے وہ مست ہے اپنے خیال میں
غش آ گیا جمال جو دیکھا جلال میں
انصاف ہو تو قصۂ قاروں دلیل ہے
خود عاشق جمال ہے خود ہی جمیل ہے
غماز گویا اپنی طرف سے وکیل ہے

فقط۔

بسمل:

تخلص بسمل، مرزا عنایت علی ولد مرزا سعادت علی، شاگرد خواجہ حیدر علی آتش، باشندۂ شہر فیض آباد، مقیم شہر بنارس، ان کے جد اعلیٰ رہنے والے خاص شہر دہلی کے باشندہ ہیں [کذا]۔ زمانے اکبر بادشاہ [29] کے، یہ داروغہ توپ خانۂ خاص کے تھے اور ہر روز حضور بادشاہ کے رہتے تھے اور تنخواہ دو سو پچاس روپے کی تھی اور راجگان دہلی ہر طرح کا سلوک کرتے تھے اور اہل شہر بھی نہایت خاطر کرتے تھے۔ جو کچھ ان کو درکار ہوتا تھا، مانگ لیتے تھے۔ بعد زمانے اکبر بادشاہ مرحوم کے، ان کے والد زمانہ منصور علی خان، فیض آباد میں داخل ہوئے۔ ان کا روزگار نہایت عمدہ سرکار شاہی میں ہوا اور فیاض یہ بہت تھے۔ تنخواہ وفا نہ کرتی تھی۔ اسی باعث سے قرض دار رہتے تھے۔

بعد انتقال نواب صاحب مرحوم کے، زمانے نواب سعادت علی خان بہادر کے، شہر لکھنؤ میں مقیم ہوئے۔ پندرہ برس کے سن میں شوق شاعری کا ہوا اور اشعار کہنے لگے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ خود رو رہنا اچھا نہیں ہے۔ جو شخص کسی کا شاگرد نہیں ہوتا ہے، اس کے شعر پر لوگ ہر طرح کا عیب پیدا کرتے ہیں اور اس کی شاعری پایۂ اعتبار میں نہیں لاتے۔ اس واسطے جو اچھے لوگ ہیں اور جن کو اچھا فہم ہے وہ کسی نہ کسی استاد کے شاگرد ہو جاتے ہیں۔ یہ کلمہ سن کے جی میں اپنے نہایت خوش ہوئے اور جا کے جناب خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد ہوئے اور علم عروض اور فن شاعری حاصل کرنے لگے۔ جب اس فن میں کامل ہوئے تو صحبتِ شعرا میں جانے لگے اور ہر شخص خاطر کرنے لگا اور اشعار عمدہ کہنے لگے۔ نہایت کلام صاف ہوتا تھا اور بندش شعر کی خوب ہوتی تھی۔

پچیس برس کے سن میں ان کو تین شوق ہوئے۔ ایک تو کبوتر بازی کا، دوسرے پتنگ لڑانے کا۔ ہزار ہا روپیا اس شوق میں اڑا دیا۔ ہر ہفتے، دن بھر کا میدان ہوا کرتا تھا۔ کئی برس تک یہی حال رہا۔ ہر چند لوگوں نے بہت سمجھایا مگر انھوں نے [وہ] ایک شخص کا کہنا اپنے خیال میں نہ لائے۔ جب نہایت مقروض ہو گئے، تب ناچار ہو کر ترک کیا اور خدا کے نام پر ایک کوڑی فقیر کو کبھی نہ دی۔ تیسرا شوق بانک کا ہوا اور لکڑی پھینکنے کا۔ صد ہا پھری [30] اور گتکا [31] بنوا ڈالا اور اس فن میں بھی خوب کمال حاصل کیا۔ اب تک لوگ ان کا ذکر کرتے ہیں۔ ملازم سرکار تھے، تنخواہ بیش قرار پاتے تھے۔ ہر وقت ان کے مکان پر دس پانچ آدمی تشریف رکھتے تھے۔ ہر طرح کی یہ ان کی خاطر کرتے تھے۔ جوان نہایت خوبصورت تھے اور خلق بڑا بہت تھا۔ مزاج میں خاکساری تھی۔ کلام ان کا پر تاثیر ہوتا تھا۔ شعر گوئی میں اچھا دخل رکھتے تھے۔ ان کی یادگار میں سے یہ کلام موجود ہے: ایک دیوان، ایک مثنوی، ایک واسوخت، چند مخمس استادوں کی غزلوں پر کہے

ہیں۔نہایت عمدہ مصرع لگاتے ہیں۔تاریخ قطعہ، رباعی، گرہ بند، مرثیہ۔اشعار:

جفائیں سہتے ہیں جوروستم اٹھاتے ہیں
نہ کرتے عشق گر آگاہ ہوتے عادتِ دل سے
محبت ترک کرنی ہو تو پہلے ذبح کر ڈالو
گناہ میرا،خطائیں میری، قصور میرا
ہمیں ہیں یار جو تجھ سے نباہ کرتے ہیں
کہ لگ جاتا ہے آسانی سے اور چھٹتا ہے مشکل سے
جدائی آپ کی دیکھی نہیں جائے گی بسمل سے
وہی کہیں ہم انھیں کو گواہ کرتے ہیں[۳۲]

فقط۔

خلیل:

تخلص خلیل، میر دوست علی، ولد سید جمال علی، شاگرد خواجہ حیدر آتش، باشندہ قصبہ بڑولی متعلقہ بارہہ، رفیق نادر مرزا نیشہ پوری [نیشا پوری]، واسطے تحصیل علم کے صغیر سن میں لکھنؤ میں آئے۔ایک عرصے تک پڑھائی کی اور ایک جاگیر بھی قلیل سی کرتے تھے۔اس میں اپنے اوقات بسر کرتے تھے۔جب تحصیل علم سے فراغت پائی، نادر مرزا مرحوم کی سرکار میں ایک صاحبزادے کے پڑھانے پر نوکر ہوئے۔چند عرصے تک اسی نوکری پر قائم رہے۔جب وہ لڑکا پڑھ چکا اس وقت نادر مرزا کے رفیق ہوئے اور عہدہ داروغگی ان کے نام ہوئی [ہوا]۔اب یہ زمینداروں کا معاملہ کرنے لگے اور روپیا بہت سا پیدا کیا۔اس زمانے میں یہ خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد ہوئے۔طبیعت ان کی نہایت اچھی تھی۔شعر یہ خوب کہنے لگے اور خواجہ صاحب کے ساتھ مشاعروں میں جانے لگے۔طرح کی غزل خوب لکھتے تھے۔جوان سے،خواجہ صاحب کے،پیشتر سے لوگ شاگرد تھے [یعنی جو لوگ ان سے پیشتر سے خواجہ صاحب کے شاگرد تھے] ان کو ان کی زبان پر رشک آتا تھا۔جوان نہایت خوبصورت تھے۔اکثر خواجہ صاحب مرحوم نادر مرزا سے میر دوست علی کی تعریف کیا کرتے تھے۔رفتہ رفتہ ان کی تنخواہ نادر مرزا صاحب نے بڑھا دی اور اختیار بھی ہر ایک کام میں زیادہ ہو گیا۔یہاں تک کہ کام چکلا داری[۳۳] کا کرنے لگے۔نادر مرزا صاحب کا وثیقہ[۳۴] ہزار روپے کا تھا۔میر دوست علی مرحوم کے اختیار میں تھا،جس کو چاہتے تھے وہ دیتے تھے۔ان کے مقدمے میں کوئی شخص دخل نہ دیتا تھا؛ یہاں تک کہ نادر مرزا کے جو اہل خانہ تھے وہ بھی ان کے دست نگر تھے

اور نوکروں کی تو کچھ حقیقت نہ تھی۔ جس قدر نادر مرزا کے رفیق تھے سب میر دوست علی کی رائے پر تھے۔ کیا دخل کوئی شخص ان کے خلاف کوئی کام کرے، یہ مجال کسی کی نہ تھی۔ سب لوگوں پر حاکم تھے اور نادر مرزا سے کہ کر محمد حسن خان صاحب کو خلعت نائب چکلا داری کا دلا دیا۔ اس روز سے وہ کام کل علاقے کا کرنے لگے اور تھوڑے عرصے [میں] ہزار ہا روپے کے یہ آدمی ہو گئے۔ ہزار ہا آدمی ان کا دربار کرتے تھے۔ اس زمانے سے تا عہد واجد علی شاہ اس عہدے پر قائم رہے۔

جب بادشاہ سے ملک اودھ نکل گیا، یہ بھی خانہ نشیں ہوئے۔ عمل داری سرکار انگریز بہادر کی جب ہو گئی اور سو روپے کی پنشن ان کی ہو گئی، خیر خواہ سرکار کے مشہور ہوئے۔ جب زمانہ انگریزی فوج کا ہوا، محمد حسن خان صاحب عہدۂ قدیم پر مقرر ہو گئے، ہزار ہا آدمی ان کے ساتھ تھا، صد ہا لڑائیاں ان سے اس زمانے میں ہوئیں۔ انگریز بہادر کی فوج سے سرکار کی جب دوبارہ عمل داری ہوئی، محمد حسن خان کو اس خیر خواہی میں علاقہ سرکار سے عنایت ہوا۔ نادر مرزا کو حکم ہوا کہ جلد حاضر ہوں۔ کُل اہل وثیقہ یہ حکم سن کے حاضر ہوئے، مگر نادر مرزا مارے خوف کے حاضر نہ ہوئے۔ اس وجہ سے ان کا وثیقہ ضبط ہوا اور میر دوست علی کے جو مکان نواز گنج میں تھے، وہ نزول [۳۵] ہوئے اور کابل کے نواب احسان علی خان رسالدار برادر کلاں کو خیر خواہی میں سرکار سے عنایت ہوئے۔ میر دوست علی ان کے پاس گئے اور اپنی تکلیف کا سب حال بیان کیا۔ قزلباش خان صاحب نے سادات ان کو سمجھ کے، وہ مکانات میر دوست علی کو مرحمت فرمائے۔ ۱۲۸۸ ہجری [۲-۱۸۷۱] میں میر دوست علی خلیل نے عارضۂ بخار میں انتقال اس دار فانی سے کیا۔ صاحب دیوان ہیں۔ شعر اچھا کہتے ہیں۔ زبان ان کی نہایت صاف تھی۔ طبیعت میں ان کی ایک رند [رندی] تھی۔ ایک بیٹا ہے وہ بھی شاعر ہے، طبیعت اچھی ہے۔ نواب منا صاحب کے رفیق ہیں۔ [۳۶] فقط۔

رند:

تخلص رند، نواب سید محمد خان مرحوم، ولد نواب سراج الدولہ بہادر، مخاطب مرزا غیاث الدین محمد خان بہادر نصرت جنگ، رئیس نیشا پوری، نواسہ نواب نجف خان مرحوم، باشندہ فیض آباد، وارد حال لکھنؤ، شاگرد خواجہ حیدر علی آتش۔ ان کے بزرگ نواب شجاع الدولہ بہادر کے زمانے میں فیض آباد میں آئے تھے۔ ان کا بہت بڑا وثیقہ تھا۔ صد ہا آدمی ان کی سرکار میں ملازم تھے۔ ہر طرح کا شوق تھا۔ سپاہی بے نظیر تھے۔ لکڑی کی کسرت خوب کرتے تھے، پٹا نہایت عمدہ ہلاتے تھے۔ [۳۷] پچاس، ساٹھ آدمی سے تنہا گو ہار لڑتے تھے [۳۸] اور کسی کی چوٹ نہ کھاتے تھے۔ دریا میں خوب پیرتے تھے۔ شیر کی پیرائی اور کھڑی پیرائی کی نہایت مشق بڑھی ہوئی تھی۔ ان کا پیرنا دیکھنے کو دریا پہ آتے تھے۔ بٹیر کا پالنا خود خوب جانتے تھے اور بہت

جلد تیار کرتے تھے۔ جو اس فن میں استاد ہیں، وہ ان کی تعریف کرتے ہیں۔ مرغ لڑانے کا نہایت شوق تھا۔ صدہا مرغ پالا تھا ہر ایک شہر سے منگوا کر۔ پانچ آثار[۳۹] کے وزن کے مرغ تھے اور سات آثاروں کے الگ تھے اور دو دو ہزار پر سات سات دن لڑتا بھی تھا۔ ہزار ہا آدمی ان کی لڑائی کی سیر دیکھنے کو آتے تھے۔ جب تک لڑائی تمام نہ ہوتی تھی، ان کے مکان میں مہمان رہتے تھے۔ عمدہ کھانا نواب صاحب کی سرکار سے ان لوگوں کی خاطر دونوں وقت جاتا تھا۔ پتنگ خوب اڑاتے تھے۔ ستر تار کا اور اسی تار سے کم نہیں ہوتا تھا۔ کمزور آدمی نہ اس کو بڑھا سکتا تھا اور نہ اتار سکتا تھا اور پیچ کوئی ۱۰ آثار پر لڑتا تھا اور کوئی پانچ آثار پر ختم ہوتا تھا۔ جب پتنگ کٹ جاتا تھا، نہ تو کوئی شخص ڈور لوٹ سکتا تھا۔ اکثر پتنگ لوگوں کو کھینچ لے جاتا تھا اور جو آدمی اس کو لوٹ کر لے آتا تھا، اس کو پانچ روپیا انعام ملتا تھا۔ صدہا آدمی اس حیلے سے پرورش ہوتے تھے۔ گھوڑے پر خوب سوار ہوتے تھے۔ چابک سوار ان کی سواری دیکھ کر شرماتے تھے۔ گھوڑے عربی بہت سے سرکار میں تھے۔ کہیں کہیں ان پر سوار ہو کر چوک کلاں کی سیر کو آتے تھے۔

آدمی نہایت ذی علم تھے۔ بعد فراغتِ تحصیلِ علم کے شعر گوئی کا شوق ہوا تو ایک دن اپنے مصاحبوں سے پوچھا کہ شیخ امام بخش شعر اچھا کہتے ہیں کہ آتش اچھا کہتے ہیں۔ سب صاحبوں نے عرض کیا کہ پُر مضمون ناسخ فرماتے ہیں اور خواجہ حیدر علی کا شعر عاشقانہ اور صاف ہوتا ہے۔ ہماری تو سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ حضور اپنی غزل آتش کو دکھلایا کیجیے۔ اس درمیان رند مرحوم خواجہ صاحب کے شاگرد ہوئے۔ صدہا روپے کی شیرینی لوگوں کے مکان پر بھیج دی اور جو شخص موجود تھے، ان کو وہیں تقسیم کر دی۔ ہر روز یہ خواجہ صاحب کی مصاحبت میں جاتے تھے۔ کسی روز ایک غزل پر اصلاح ہوتی تھی، کسی دن دو غزل پر۔ تھوڑے عرصے میں صاحب دیوان ہو گئے اور کلام پسند خاص و عام ہوا اور ان کی غزلیں لوگ شہر میں بہت گاتے ہیں۔ مشاعرے ان کے مکان میں نہایت عمدہ ہوتے تھے۔ آتش اور ناسخ، میاں مصحفی، جرأت، خواجہ سراا ندھے اور تمام شہر کے شعرا تشریف لاتے تھے۔ شب کے نو بجے مشاعرہ شروع ہوتا تھا اور دن کے دس بجے ختم ہوتا تھا۔

سید محمد خان رند اپنے سب بھائیوں سے نہایت خوبصورت تھے اور جوان رعنا تھے۔ جس طرف ان کی سواری نکلتی تھی، لوگ دیکھ کر تعریف کرتے تھے۔ تیس برس کے سن میں رنڈی بازی کا شوق ہوا کہ محل جدیدہ کئی تھے اور بہت سی کسبیاں ملازم تھیں۔ ہر روز یہ بھی شغل رہا کرتا تھا۔ ایک سو روپے کی کوئی نوکر تھی، کوئی دو سو روپے کی، کوئی چار سو روپے کی تھی۔

ایک دن ایک فقیر ان کی صحبت میں کسی ملک سے آیا تھا۔ اس نے جو نواب کا یہ حال سنا کہ

نہایت عیاش ہیں؛ ایک نسخے کی تعریف کی کہ اگر کوئی صاحب ایک بار اس کو کھالے تو تمام عمر وہی باہ کی اس کی کیفیت رہے گی۔ یہ نسخہ نہایت مجرب ہے۔ نواب صاحب نے ارشاد فرمایا کہ کتنے عرصے میں تیار ہوگا اور روپیہ کس قدر صرف ہوگا۔ شاہ صاحب نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ ایک سو روپیہ صرف ہوگا اور ایک ہفتے میں ہو جائے گا۔ اس وقت نواب صاحب نے شاہ جی کو سو روپیا عنایت فرمایا اور ایک مکان ان کے رہنے کے واسطے مرحمت ہوا۔ جب وہ کشتہ تیار ہو چکا، شاہ صاحب نے نواب صاحب کے ملاحظے میں گزارا اور اس کے کھانے کی ترکیب فرمائی۔ اسی صورت سے نواب صاحب نے نوش فرمایا۔ اس قدر اس نے حرارت پیدا کی کہ رنڈیاں ان سے گھبرانے لگیں۔ اس فقیر کو بہت سا روپیا عنایت فرمایا۔ چند عرصے کے بعد نواب صاحب سے رخصت ہوا اور خدا جانے کس طرف چلا گیا۔ بعد ایک سال کے نواب صاحب کا بدن کشتے نے توڑ دیا۔ ہزاروں علاج ہوئے، کسی کی دوا سے فائدہ نہ ہوا۔ اس بیماری کی وجہ سے سب شوق جاتے رہے۔ تنہا نواب صاحب اکثر اپنے مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ آخرش اس عارضے میں انتقال کیا۔ اس دار فانی سے ان کے مر جانے کا صدہا آدمی کو غم ہوا اور صدہا آدمی اس سرکار سے موقوف ہو گئے۔ اپنے مکان میں دفن ہیں۔ آج تک تنخواہ وثیقے کی ان کی اولاد کو اور عزیزوں کو ماہ بماہ ملتی ہے مگر وہ رونق مکان میں کوسوں نہیں نظر آتی اور نہ وہ فیض۔ فقط نواب مرحوم کے دم کی برکت تھی۔ کلام ان کا یہ یادگار ہے: ایک دیوان چھپ گیا ہے، دوسرا ناتمام رہا۔ ان کا کلیات نظر سے راقم کی گزرا ہے۔ رباعی اور تاریخ مخمس اس میں موجود ہیں۔ فقط۔

سرور:

تخلص سرور، غلام مرتضٰی خان ولد نصیر اللہ خان، شاگرد پیرزادہ خواجہ حیدر علی آتش، شاگرد غلام ہمدانی، تخلص مصحفی، باشندۂ مدینہ، عرب، قوم ہاشمی، مولد ان کا خاص لکھنؤ ہے۔ بزرگ ان کے دہلی میں شاہ جہاں بادشاہ کے زمانے میں آئے تھے۔ ملازم سرکار ایک مدت تک رہے اور اس سرکار میں تنخواہ دو سو روپیا ماہواری کی مقرر تھی۔ کسی دشمن سے جب لڑائی درپیش ہوتی تھی، اس وقت یہ جاتے تھے ورنہ اپنے مکان میں رہا کرتے تھے۔ نواب آصف الدولہ کے زمانے میں ان کے والد فیض آباد میں تشریف لائے۔ نواب صاحب کے ملازم ہوئے۔ تنخواہ سو روپے کی مقرر ہوئی۔ رسالدار بہادر خطاب ہوا، نواب ممدوح کی سواری حاضر رہا کرتی تھی۔ جب نواب مذکور لکھنؤ میں مقیم ہوئے تو ان کے والد کو بھی مکان بنوانے کی خاطر جگہ عنایت ہوئی۔ مکان نہایت عمدہ تیار کیا۔ غلام مرتضٰی خان، نواب غازی الدین حیدر بادشاہ کے عہد میں پیدا ہوئے۔ سات برس کے سن میں پڑھنے کو پاس مولوی کے بیٹھے۔ پندرہ برس کے سن میں تحصیل علم سے

فراغت پا کے ملازم سرکار کے ہوئے۔اسی زمانے میں ان کو شعر گوئی] کا[شوق ہوا۔خواجہ حیدر آتش کے ساتھ مشاعرے میں جایا کرتے تھے۔علم عروض مولوی یوسف صاحب سے حاصل کیا تھا۔غزل نہایت عمدہ کہتے تھے۔طبیعت عاشقانہ تھی۔کلام پسند خاص و عام ہوتا تھا۔صاحب دیوان تھے مگر ان کے کلام کا کہیں پتا نہیں معلوم ہوتا کہ کیا ہوا۔نہ تو قلمی کہیں ملتا ہے نہ کسی طبع میں چھاپا گیا۔[۴۰] فقط۔

شرر:

تخلص شرر، مرزا آغا حسن ولد مرزا آغا محمد، شاگرد خواجہ حیدر علی آتش، بندۂ لکھنؤ۔ان کے جد امجد رہنے والے خراسان کے ہیں۔محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں دہلی میں آئے تھے۔ملازم سرکار ہوئے۔جو کام کرتے تھے، ساتھ خیر خواہی کے۔نہایت نمک حلال مشہور تھے۔اسی طرح سے ان کے خاندان میں یہ عہدہ درجہ بدرجہ چلا گیا۔ان کے والد ساتھ انشأ اللہ خان صاحب کے، زمانے نواب آصف الدولہ بہادر کے، دہلی سے طرف فیض آباد میں [کے] آئے تھے۔جب نواب صاحب طرف لکھنؤ کے رونق افزا ہوئے تو یہ بھی ان کے ہمراہ آئے اور بود و باش لکھنؤ میں اختیار کی۔اس دن سے لکھنوی مشہور ہوئے۔علم ان کو فارسی کا اچھا تھا اور علم عربی خوب جانتے تھے۔اٹھارہ برس کے سن میں شعر گوئی کا شوق ہوا۔جب دس، بیس غزلیں تصنیف ہوئیں، اس وقت یہ خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد ہوئے۔ان کے ساتھ مشاعرے میں جاتے تھے اور لوگوں کو ان کی شعر گوئی کا حال معلوم ہوا۔ہر ایک شخص ان کی خاطر کرنے لگا۔راقم کو ان کا حال اس قدر معلوم ہوا اور ان کا حال اس سے سوا کسی شخص سے نہ زیادہ حاصل ہوا۔ان کی تصنیفات سے یہ کلام موجود ہے: ایک دیوان، رباعی، تاریخ۔شعر ان کے پُر مضمون ہوتے ہیں اور نازک خیال ہیں۔ فقط۔

شرف:

تخلص شرف، سید سعادت حسین عرف آغا جو صاحب، خلف سید محمد میر، باشندۂ لکھنؤ، شاگرد خواجہ حیدر علی آتش۔یہ نہایت عالی خاندان ہیں۔جوان نہایت خوبصورت، طرح دار شہر میں مشہور معروف ہیں۔جب یہ مشاعرے میں جاتے تھے، دس بیس ان کے ساتھ شاگرد ہوتے تھے۔ان کی غزل کے آگے کسی کی غزل سرسبز نہ ہوتی تھی اور ختم مشاعرہ ان پر ہوتا تھا۔ہر ایک شخص ان کی تعریف کرتا تھا اور غصہ مزاج میں سوا تھا۔ہر ایک بات میں بگڑ جاتے تھے۔اپنی سپاہ گری کے آگے کسی کی بہادری نہ خاطر میں لاتے تھے۔اکثر دو ایک مشاعروں میں دو، چار شخصوں کو ذلیل کر ڈالا۔اس دن سے لوگ ان سے اور بھی خوف کھاتے تھے۔جب دیکھا کہ یہاں مشاعرے بے لطف ہونے لگے اور کوئی شخص استادوں میں سے نہ

باقی رہا اور شہر میں کوئی امیر قدر دان کسی فن کا نہ رہا، پریشان ہو کر شہر کلکتہ میں واجد علی شاہ کی خدمت میں تشریف لے گئے ۱۲۸۰ ہجری [۶۴-۱۸۶۳] میں۔ اب خدا کے فضل سے بادشاہ کے مصاحب خاص ہیں۔ کلکتے میں شاگرد اب ان کے بہت سے لوگ ہیں۔ ہر ایک طرح کا بادشاہ کے مزاج میں ان کو دخل ہے۔ ہر ماہ میں مشاعرہ ہوتا ہے۔ ان کے سوا کلکتہ میں اور بھی جا بجا رئیسوں کے مکان میں صحبت ہوتا [ہوتی] ہے۔ یہ ہر صحبت میں تشریف لے جاتے ہیں۔ ان کے فیضِ صحبت سے صدہا آدمی وہاں کے [کا] شاعر بھی ہو گیا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا گویا لکھنؤ ہے۔

یہ خواجہ حیدر علی آتش کے شاگردوں میں نہایت عالی فکر ہیں۔ اب ان سے بہتر کوئی ان کا شاگرد نہیں ہے۔ زود گو بہت ہیں۔ ان کی غزل بہت بڑی ہوتی ہے، اصلاح کا ڈھنگ خوب جانتے ہیں۔ ان کا شاگرد بہت جلد ہوشیار ہو جاتا ہے۔ دو چار ماہ میں اس طرح کی قوت خود اس میں ہو جاتی ہے کہ اپنی غلطی کو آپ نکال ڈالتا ہے اور اصلاح غزل کم ہوتی ہے۔ آدمی ذی علم ہیں۔ عروض کو پڑھاتے ہیں۔ ان کا] کی [یادگار ایک دیوان، مخمس، تاریخ، سلام، مرثیہ اور بہت ان کا کلام جاتا رہا۔ اشعار ان کے سب نہایت اچھے ہوتے ہیں۔ فقط۔

منتہیٰ:

تخلص منتہیٰ، مرزا مسیتا بیگ، ولد عبدالقادر، شاگرد خواجہ حیدر علی آتش، باشندۂ لکھنؤ، بزرگ ان کے رہنے والے ولایت کے ہیں۔ دہلی میں آئے تھے۔ ایک مدت تک ملازم بادشاہ کے رہے۔ مرزا مسیتا بیگ کے والد نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے میں تشریف دہلی سے فیض آباد میں لائے تھے۔ چند روز وہاں مقیم رہے۔ نواب سعادت علی خان خطاب امین الدولہ بہادر مرحوم کے عہد میں وارد حال ہوئے شہر لکھنؤ میں۔ یہ زمانۂ نصیرالدین حیدر، بادشاہ کے ملازم ہوئے۔ سترہ برس کے سن میں شعر گوئی کا شوق ہوا اور دو چار برس غزل کسی شخص کو نہیں دکھلائی۔ جب کلام بہت کچھ ہو گیا تب یہ شاگرد خواجہ حیدر علی آتش کے ہوئے۔ چند عرصے میں غزل ان کی عمدہ ہونے لگی۔ شعر ان کا پُر مضمون ہوتا ہے۔ آگے ان کا حال نہ معلوم ہوا۔ جس قدر میسر آیا، اس قدر لکھا۔ جوان نہایت خوبصورت ہیں۔ آدمی ذی علم ہیں۔ فارسی میں خوب دخل ان کو ہے۔ زود گو بہت ہیں۔ غزل نہایت شیریں لکھتے ہیں۔ مشاعرے میں ان کے پڑھنے کی لوگ اکثر تعریف کرتے ہیں اور اشعار اچھے تصنیف کرتے ہیں۔ شاگرد بھی ان کے لوگ ہیں۔ معاملے کے مضمون ان کے بہت ہوا کرتے ہیں۔ صاحب دیوان ہیں۔ رباعی، گرہ بند، تاریخ، مخمس، مرثیہ۔ فقط۔

[1] نسّاخ کی زندگی اور تصانیف کی تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد صدر الحق، نسّاخ۔ حیات و

تصانیف (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۷۹-۱۹۷۷)، سید لطیف الرحمان، نساخ سے وحشت تک (کلکتہ: عثمانیہ بک ڈپو، ۱۹۵۹)، محمد حامد علی خان، ہندوستانی ادب کے معمار۔ عبدالغفور خان نساخ (نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی، ۲۰۰۳)۔

[۲] عبدالغفور نساخ، سخن شعرا (لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۲)۔

[۳] گارسیں دتاسی، تاریخ ادبیاتِ اردو، مترجمہ لیلیان سیکستن نازرو، مرتبہ معین الدین عقیل (کراچی: پاکستان سٹڈی سنٹر، جامعہ کراچی، ۲۰۱۵)۔

[۴] نساخ، قطعہ منتخب مرتبہ انصاراللہ نظر (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۷۴)۔

[۵] عبدالغفور نساخ، ''تذکرۃ المعاصرین (تذکرہ شعراے فارسی)'' مترجمہ و مرتبہ عطا کاکوی، مشمولہ سفینہ، خصوصی شمارہ نمبر ۲۸-۲۷ (جنوری تا اپریل ۱۹۸۷): ص ۳ تا ۸۰۔ اصل فارسی تذکرہ اب نایاب ہے۔

[۶] نساخ، خودنوشت سوانح حیات (کلکتہ: ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۹۸۶)۔

[۷] محمد صدر الحق، نساخ۔ حیات و تصانیف (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۷۹-۱۹۷۷)۔

[۸] دیوان آتش میں یہ شعر یوں درج ہے:

ادب تا چند اے دستِ ہوس قاتل کے دامن کا
سنبھل سکتا نہیں اب دوش سے بوجھ اپنی گردن کا

دیوان آتش (لکھنؤ: مطبع محمدی، ۱۸۴۴)، ص ۱۳۔

[۹] جو سویا ساتھ بھی قاتل تو خنجر درمیاں رکھ کر، ایضاً۔

[۱۰] کیا اک آن میں تیغِ قضا نے صاف دو ٹکڑے گماں ہی رہ گیا دشمن کو آتش اپنے جوشن کا، ایضاً

[۱۱] جوشن بمعنی زرہ بکتر۔

[۱۲] بجا ہے اے صنم جو تجھ کو دعویٰ ہے خدائی کا، ایضاً، ص ۲۔

[۱۳] زمیں یہاں کی چہارم آسماں ہے، ایضاً، ص ۲۲۷۔

[۱۴] دلِ روشن ہے روشن گر کی منزل، ایضاً۔

[۱۵] پسیجے گا کبھی تو دل کسی کا، ایضاً۔

۱۶ برنگِ بو ہوں گلشن میں میں بلبل، ایضاً۔
۱۷ چمن کی سیر پر ہوتا ہے جھگڑا، ایضاً۔
۱۸ گل و بلبل کے دریا درمیاں ہے، ایضاً۔
۱۹ ذقن جاناں کا پارے کا کنواں ہے، ایضاً۔
۲۰ دیوانِ آتش میں سخت کا املاط سے کیا گیا ہے۔ نہ کہورندوں کو حرف سخظ واعظ، ایضاً۔
۲۱ تذکرے میں زیرالدولہ لکھا گیا ہےجب کہ سخن شعرا میں نواب ظہیرالدولہ درج ہے جو درست بھی معلوم ہوتا ہے۔ سخن شعرا، ص ۳۳۔
۲۲ اس جملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس تذکرے کا مصنف کلکتے کا رہنے والا تھا۔
۲۳ اسی جملے سے یہ کھلتا ہے کہ اس قلمی نسخے کا مصنف کون ہے۔
۲۴ قلمی نسخے میں یہ جملہ ادھورا چھوڑا گیا ہے اور اس کے بعد حسبِ روایت ''فقط'' بھی نہیں لکھا گیا۔ غالباً اس موضوع پر کچھ اور بھی لکھنا چاہتے ہوں گے۔
۲۵ فن سپہ گری میں ایک ورزش کا نام ہے جسے بنوٹ اور بکیتی بھی کہتے ہیں اور کٹار نما ٹیڑھی چھریوں سے بیٹھ یا لیٹ کر کھیلتے ہیں۔
۲۶ سید سالار مقصود غازی گیارھویں صدی کے ایک مجاہد اور صوفی بزرگ تھے۔ ان کا حال سترھویں صدی کی ایک کتاب مراۃ مسعودی از عبدالرحمان چشتی میں بیان کیا گیا ہے جس کے مطابق سید سالار غازی محمود غزنوی کے بھانجے تھے اور ان کے لشکر کے ساتھ ہندوستان میں آئے تھے۔ تاہم دیگر تاریخی شواہد سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ ان کا مزار بہرائچ، اتر پردیش میں ہے اور مرجع خلائق ہے۔
۲۷ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ افضل اس وقت حیات تھے۔ سخن شعرا میں بھی ان کا مختصر سا ذکر ہے جس میں یہ درج ہے کہ نساخ کی ان سے کلکتہ میں ملاقات ہوئی تھی اور ان کا دیوان بھی نساخ کی نظر سے گزرا تھا۔ تذکرے کے لیے انھوں نے جو اشعار دیے تھے وہی اشعار یہاں بھی درج ہیں۔
۲۸ سخن شعرا میں یہ شعر اس طرح درج ہے:

یہ یہاں کی فکر میں ہے، وہ وہاں کے خیال میں
دیکھو جسے وہ مست ہے اپنے ہی حال میں

سخن شعرا، ص ۴۱۔
۲۹ غالباً مغل بادشاہ اکبر شاہ ثانی کا ذکر ہے جو شاہ عالم ثانی کے بیٹے اور بہادر شاہ ثانی کے والد

تھے۔ ۱۸۰۶ میں تختِ دہلی پر بیٹھے اور ۱۸۳۷ تک حکمران رہے۔

[۳۰] پھری سوت اور بانس کی بنی ہوئی ایک قسم کی ڈھال کو کہتے ہیں جو پٹا بازی میں حریف کا وار روکنے کے کام آتی ہے۔

[۳۱] گدکا یا گتکا وہ لکڑی ہے، جس پر چمڑا منڈھا ہوا اور جو پٹا کھیلنے کے کام آئے۔

[۳۲] سخن شعرا میں چوتھا شعر پہلے نمبر پر درج ہے

کیوں کہ پہلا اور دوسرا شعر ایک ہی غزل کے ہیں۔ سخن شعرا، ص ۶۷۔

[۳۳] چکلا داری بمعنی صوبے داری یا کسی علاقے، ضلع یا پرگنہ کے حاکم کا عہدہ رکھنا۔ اسے چکلہ بھی لکھا جاتا ہے۔

[۳۴] علمائے لکھنؤ کے نزدیک وہ روپیا جو کسی غیر مذہب سے بطور منافع نقد روپے کے عوض لیا جائے جیسے پرومیسری نوٹ کی آمدنی۔

[۳۵] نزول ہونا یعنی زمین کا بحق سرکار ضبط ہو جانا۔

[۳۶] سخن شعرا میں لکھا ہے کہ خلیل ۱۲۷۹ ہجری میں کلکتہ آئے تھے۔ نیز یہ کہ وہ نساخ کے دوستوں میں تھے۔ سخن شعرا، ص ۱۵۱۔

[۳۷] پٹا ہلانا یا پٹا بازی سپہ گری کا ایک فن ہے جس میں دو آدمی پھری اور گدکے یا گتکے سے کھیلتے ہیں۔

[۳۸] گو ہار لڑنا یعنی پٹے بازی میں ایک شخص کا بہت سے آدمیوں کا مقابلہ کرنا۔

[۳۹] وزن کا ایک پیمانہ۔ غالباً سیر کی عربی شکل۔

[۴۰] سخن شعرا میں ان کا ایک ہی شعر درج ہے:

مجھ سے جو پوچھتا ہے کوئی ماجرائے دل
یہ کہ کے لوٹ جاتا ہوں میں، ہائے ہائے دل

سخن شعرا، ص ۲۱۵۔